شورش کاشمیریؒ

مولانا ابوالکلام آزادؒ
(قلمی چہرہ)

میرا خیال ہے جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے‘ مولانا ابوالکلام آزادؒ سے میری عقیدت کا رشتہ استوار ہے اور اس میں کبھی کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ میں نے رہنماؤں میں سب سے زیادہ محبت انہی سے کی ہے۔ قید خانے میں مجھ سے یوسف مہر علی نے پوچھا تھا: اگر تمہیں رہنماؤں میں سے ایک رہنما منتخب کرنے کے لیے کہا جائے اور کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب تو تم کس کا انتخاب کروگے؟ میں نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر جواباً کہا تھا: رہنماؤں میں ’’ابوالکلام آزاد ‘‘اور کتابوں میں ’’ترجمان القرآن‘‘ میری زندگی ان دونوں سے متاثر ہے اور میں نے قلم و زبان کے سیاسی سفر میں جو کچھ بھی حاصل کیا‘ وہ انہی کی بدولت ہے۔

مجھے اپنی بست سالہ سیاسی زندگی میں ہر مکتب خیال کے رہنما کی معیت میں کچھ عرصہ رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ بعضوں کو میں نے نزدیک سے دیکھا ہے اور بعض کو قریب سے سنا ہے۔ لیکن ابوالکلام آزاد سب میں آگے اور سب سے الگ ہیں۔ ان کی بات چیت اتنی شستہ و رفتہ ہوتی ہے کہ کوثر و تسنیم کی لہریں نچھاور ہوتی ہیں۔ اور لہجہ اتنا پیارا کہ الفاظ اس کی تاثیر بیان کرنے سے معذور ہیں۔ وہ واقعی ابوالکلام ہیں‘ جو کچھ بولتے اور جو کچھ لکھتے ہیں‘ اس سے انسان کا ذہن پرسش کی طرف نہیں بلکہ پرستش کی طرف جاتا ہے۔ وہ الفاظ کو رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں اُلوہیّت کا جامہ پہناتے ہیں۔

حالات سازگار ہوتے تو وہ جمہوریۂ ہندوستان کے پہلے صدر ہوتے لیکن اب وہ کوثر و تسنیم کی ایک ایسی لہر ہیں جو گنگ و جمن کی لہروں کے ساتھ بہہ رہی ہے۔ عربوں میں ہوتے تو ابن تیمیہ ہوتے‘ ہندوؤں میں ہوتے تو اب تک ان کے بت پجتے ہوتے‘ لیکن وہ مسلمانوں میں تھے‘ اس لیے ان کے حصے میں وہ سب کچھ آیا ہے جس سے علمائے امت کی جیبیں لبریز ہیں۔

مسلمانوں میں جتنی گالیاں ابوالکلام کو دی گئی ہیں‘ غالباً تاریخ انسانی میں اتنی گالیاں کسی اور کو نہیں ملی ہیں۔ لیکن اس سب معرکوں میں ان کا ایک ہی جواب تھا: ’’میرے بھائی! کوئی انسان خواہ وہ کسی درجے میں کیوں نہ ہو‘ گالی دے کر اپنی عزت میں اضافہ نہیں کرسکتا۔ البتہ احوال کا جو نقشہ آج درپیش ہے‘ آپ انہیں موسمی ہوائیں سمجھیے جو بہرحال گزر جاتی ہیں۔‘‘ اور پھر اس کے بعد ایک آہ سرد جو ہونٹوں تک آکر رک جاتی۔

باقی صفحہ ۳۰ پر